

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ.....

مدیر کے قلم سے

عید الاضحیٰ کے آتے ہی کئی یادیں، جذبے اور ولولے انگڑائیاں لے کر تازہ ہو جاتے ہیں، عشق و وفا کے سرمدی زم زموں کی صدائے بازگشت چہار سونائی دیتی ہے، فرزندِ انِ توحید کو اجتماعیت کا سبق یاد دلانے والا حج کے روح پرور اجتماع کا منظر سامنے آتا ہے، راہ و فامیں فانی دنیا قربان کرنے کا ایمان افروز موسم ہر سمت چھا جاتا ہے، ایثار قربانی کا احساس نشوونما پاتا ہے اور عہدِ ناقہ و حمل اور نجد و حجاز کی تاریخ ابھرا بھرا آتی ہے..... جب بطحا کی بے آب و گیاہ وادی میں ایک مقدس ہستی نے اپنی بیوی اور اپنے جگر گوشے کو اللہ کے حوالے کر کے رخت سفر باندھا اور اس کی فرشتہ صفت اہلیہ کو معلوم ہوا کہ یہی اللہ کا حکم ہے تو وہ سرِ اطاعت خم کرتی ہوئی کہنے لگیں: ”جس حاکم کے حکم کی تعمیل ہو رہی ہے، وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا“..... کہ:

جائز نہیں اندیشہ جان عشق میں اے دل!

ہیار کہ یہ مسلک تسلیم درضا ہے

دشتِ بے اماں میں اس سیکرِ رضا کی تنہائی اور کسمپرسی کی حالت یقیناً تھی جو کسی عربی شاعر نے اپنے اس بلیغ شعر میں بیان کی ہے:

كَأَنَّ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْحَجَّوْنَ إِلَى الصَّفَا

أَنِيسَ وَلَمْ يَسْمَرْ بِمَكَّةَ سَامِرَ

(یوں لگتا ہے کہ حجوں سے لے کر صفا پہاڑی تک نہ کوئی میرا نمگسار تھا اور نہ ہی مکہ کی راتوں میں

میرے ساتھ کوئی دل بہلاوے کی باتیں کرنے والا تھا)

لختِ جگر کی پیاس کی بے تابی نے ماں پر اضطراب اور بے چینی کا کیسا عالم طاری کیا ہوگا.....! وہ کوہ صفا اور مرہ کے درمیان دیوانہ وار دوڑتی رہیں..... بچے کی تشنگی کی سیمابی مامتا کو تڑپانے اور اس کی تڑپ آسمانوں کو ہلانے لگی تو رحمت الہی خشک زمین سے فوارے کی شکل میں نمودار ہوئی، ایک منٹ میں چھ سو ساٹھ لیٹر نکلنے والا آب

زمرم اس وقت سے لے کر اب تک رواں دواں ہے اور اللہ جانے ایک لمحہ میں دنیا کے نئے نقشہ لبوں کو سیراب کر رہا ہے.....؟ صدیاں گزر گئیں، صفا اور مروہ کے درمیان دیوانہ وار سعی کی وہ ادا آج بھی جاری ہے، بلاشبہ ایمان کی قوت، ناقابل شکست اور اس کے برگ وبار کی یادگاریں لافانی ہوتی ہیں۔

معمارِ حرم حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی پاکباز زندگی کے قدم قدم پر ایمان و یقین کی ان گنت نشانیاں فکر و وجدان کی تاریک راہوں کو روشن کرتی اور بھٹکے ہوئے آہو کو سوائے حرم کا پتہ دیتی ہیں..... حقیقت یہ ہے کہ انسان کو ایمان و یقین سے بڑھ کر کوئی قوت، کوئی طاقت اور کوئی تسخیر آج تک حاصل ہوئی، نہ ہو سکے گی، اللہ تعالیٰ کی ذات پر غیر متزلزل یقین ہی ذہنی کشتی کو ساحلِ عطا کرتا، منزلِ غم کی سختیوں کو پامال کرتا، مولے کو شہباز سے مکرانے کا حوصلہ بخشتا اور آگ کے شعلوں کو ہوائے چمن کے جھوکوں میں بدل دینے کا اعجاز دکھاتا ہے..... یہ کوئی جذباتی لفظوں کی ہیرا پھیری یا انشا پر دازی کا بے حقیقت غلغلہ ہرگز نہیں، بلکہ دلوں کو گرمانے اور روح کو وجد میں لانے والی یقین و ثبات کی یہ داستانیں تاریخ کے چپے چپے پر بکھری پڑی ہیں..... حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو وہ گلزار میں ڈھل کر اندازِ گلستان پیدا کر گئی۔

یہ بات نہیں کہ دنیا میں مردِ مومن کو ظاہری شکست نہیں ہوتی، یہ بھی نہیں کہ اس کے راستے میں سنگ گراں رکاوٹ نہیں بنتے، یہ بھی نہیں کہ اس کی تمنائوں اور آرزوؤں کا خون نہیں ہوتا، آپ خود سوچیں کہ اگر ماتم شکست کی بجائے اس کے حصہ میں ہمیشہ فتوحات کا جشن آئے، آبلہ پانی کی بجائے اس کے قدم سدا پھولوں کی تاج پر گل نشانی کا لطف لے، خواہشات اور شیطانی ستم کے خار سے زندگی تار تار ہونے کی بجائے اس کی ہر امید بھر آتی رہے اور ناکامیوں کی بجائے اس کے جہادِ زندگی کو صرف کامیابیوں ہی کی سوغات ملے تو ایسی صورت میں کون ہے جو ایمان کی راہ روی کا دعویٰ نہیں کرے گا! چونکہ مومن کے ایمان خالص اور منافق کے نفاق کو ظاہر کرنا ضروری ہے اس لیے ابتلاء اور آزمائش کی کوئی پردہ عویٰ ایمان کے کھوٹے اور کھرے پن کو آزمانا اللہ کی سنت ہے سورہ عنکبوت آیت نمبر ۲ میں ارشاد ہے..... ”کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور وہ آزمائش نہیں جائیں گے؟ (ایسا نہیں، وہ ضرور آزمائے جائیں گے) ہم تو انہیں بھی آزما چکے جو ان سے پہلے گزرے“..... لیکن جس شخص کا ایمان جس قدر مضبوط، جس قدر مستحکم اور جس قدر قوی ہوگا، اسی قدر اس کی آزمائش اور ابتلاء کا مرحلہ بھی سخت ہوگا، ارشادِ نبوی ہے: ”اشد الناس بلاء الانبياء ثم الامثل فالامثل“ ”لوگوں میں انبیاء

روپوش بھی ضرور ہوتا ہے لیکن اس کے ایمان کی خوشبودائی اور اس کے ذکر خیر کا گلشن سدا مہکتا رہتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کو لے لیجئے، ان کی آزمائش کا ایک مشکل ترین مرحلہ اکلوتے فرزند کی قربانی کا تھا، خواب میں انہیں فرزند ذبح کرنے کا حکم ملا، اس کی تعمیل میں کسی حیل و حجت کے بغیر بیٹا اپنی جوانی اور اپنی امتگوں کی دنیا اور باپ اپنی سوسالہ دعاؤں کا نخلِ تمنا قربان کرنے صبح کے دھند لکے ہی میں شاداں شاداں روانہ ہو گئے۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم

نہایت اس کی حسین، ابتدا ہے استعیل

قرآن کریم کی سورۃ الصفت میں اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:

”وہ لڑکا جب آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر تک پہنچ گیا تو ابراہیم نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو، تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے، ابا جان جو حکم آپ کو دیا گیا ہے، اسے کر ڈالیے، آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے، پھر جب دونوں نے اللہ کا حکم تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے ندادی کہ تم نے خواب سچ کر دکھایا، ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان، ہم نے ایک عظیم ذبیحہ دیئے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا اور آنے والی نسلوں میں ان کا ذکر خیر چھوڑا، سلام ہوا ابراہیم پر، ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔“ (سورۃ الصافات، آیت ۱۰۲-۱۱۱)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں لکھا ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس موقع پر بہکانے کی کوشش کی لیکن آپ نے ہر بار سات کنکریاں مار کر اسے بھگا دیا، وفا اور سر تسلیم خم کرنے کی اس تاریخ ساز کامیابی کی یادگار کے طور پر وادی مٹی میں حجاج کرام ہر سال اس کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

حضرت استعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے اتارا گیا ایک مینڈھا ذبح کیا گیا، عید الاضحیٰ میں قربانی کی یہ سنت ابراہیمی بھی اسی وقت سے چلی آرہی ہے، صحابہ نے پوچھا، حضور! یہ قربانی کیا ہے؟ فرمایا: ”یہ تمہارے ابا حضرت ابراہیم کی سنت ہے“..... اور فرمایا کہ استطاعت کے باوجود جو شخص قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کا رخ نہ کرے اور ان تین دنوں میں قربانی سے بڑھ کر کوئی دوسرا نیک عمل اللہ کو محبوب نہیں۔

مغرب سے متاثر ہونے والے بعض جدید ذہنوں میں قربانی سے متعلق یہ شبہ پایا جاتا ہے کہ جانور ذبح کرنے کی بجائے وہ رقم کسی غریب مسکین کو دی جائے تو اس کا بھلا ہوگا، غریب کے ساتھ ہمدردی کا یہ جذبہ اپنی جگہ لیکن ایک عبادت کو اس جذبہ کی جھنجھٹ چھلانے کا مطلب الہی سوچ، الہی راسخ اور اپنی فکر کی غلامی کے سوا کچھ؟

نہیں، رب کی بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ جو حکم دیا گیا اس کی تعمیل کی جائے، یہاں آکر بعض کو رنگاہ نام نہاد دانشور راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں، وہ شریعت کے ہر حکم کو خورد کے پیمانے سے ناپتے اور عقل کی کسوٹی سے پرکھتے ہیں.....

ان کی نظر اس واضح حقیقت کی طرف نہیں جاتی کہ حکم الہی کی تعمیل صرف اور صرف اس لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کا حکم ہے، خواہ عقل اس کی حکمتوں کا احاطہ کر سکے یا قاصر رہے..... آتش نمرود و غرور میں کودنے کا کرشمہ عشق کا ہے، عقل تو محو تماشا ہے لب بام رہی، یہی وہ مقام ہے جہاں عقل کے ترانوں کا نہیں، عشق کی نواؤں کا رنگ جتا ہے اور خورد کی گتھیاں سلجھانے والوں کی منطق نہیں، اہل جنوں کی راہ و رسم تب و تاب جاودا نہ پاتی ہے کہ:

صدق ظلیل بھی ہے عشق، صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں، بدر و جنین بھی ہے عشق

ہمارا آج کا دور بھی اہل ایمان کے لیے آزمائشوں اور فتنوں کا دور ہے، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو سال پہلے اس دور کے فتنوں کی پیش گوئی فرما چکے ہیں، امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے کتاب المغن میں ایک روایت نقل کی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مسلمانوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ کافروں میں ان کے خلاف لڑنے کے لیے ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جس طرح کھانے کے لیے ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے، کسی نے پوچھا کہ کیا اس وقت ہم کم ہوں گے؟ فرمایا نہیں، تم بہت ہو گے لیکن سیلاب کے جھاگ کی مانند بے کار ہو گے، اللہ تمہارا خوف غیروں کے دل سے ہٹا لے گا اور تمہارے دل میں ان کا رعب بٹھا دے گا، دنیا کی محبت اور موت سے نفرت تم میں آجائے گی۔

آپ اپنے گرد پیش کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کس طرح اس حدیث کا لفظ لفظ آج کے حالات پر صادق آ رہا ہے، مسلمانوں کے خلاف طاغوتی قوتیں متحد ہونے کے لیے ایک دوسرے کو دعوت دے رہی ہیں، دنیا کی مسلم اکثریت پر نظر ڈالیں تو وہ راہ کا ڈھیر معلوم ہوگی اور عالم اسلام کے اکثر ملکوں کو دیکھیں تو مغرب سے عربیت کی وہاں کی رگ رگ میں سرایت کر چکی ہے لیکن یہ بات اپنی جگہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اسلام ان تمام فتنوں، طوفانوں اور سمت مخالف سے چلنے والی آندھیوں کے باوجود قیامت تک باقی رہنے والا دین برحق ہے، طاغوت کے گماشتے دنیا سے اس کے زمرہ بارگاہ حق کو کبھی بھی فنا نہیں کر سکتے، آزمائش ہے تو صرف مسلمانوں کی ہے اور فتنے ہیں تو صرف اہل اسلام کو آزمانے کے لئے ہیں کہ وہ اپنی جان اور مال سمیت اسلام پر قائم رہتے ہیں کہ نہیں اور یہ کہ کس قدر وہ توحید کے اس نعرہ مستانہ ”لہیک اللہم لیک.....“ کا پاس کرتے ہیں۔